اقبال کی نظموں میں وجودی تصورات

محمد اکرام سرا

ABSTRACT:
Existentialism is the name of philosophical point of view which has left far-reaching effects verse and literature along with human society.According to existentialism,the most certain existence is that of the 'individual'who is free in his thinking,speech and action.therefor an individual becomes what he wishes to become.However, in this journey,he faces fear and trembling.He has to confront restlessness but if he overcomes this restlessness and follows a certain selected path of action ,he can attain real freedom. Iqbal also appreciates the concept of self.knowledge.In Iqbal's view ,in this universe full of chaos,restlessness and contradictions man's conciousness is on the one hand,evident of the vastness of time and space whereas it is a victim of insecurity and uncertainity on the other.Existentialists are againest rationality . Iqbal is also of the view that rationality lowers man's dignity.Reason negates the internal capabilities of man by disintegrating the thought process. According to the existentialists, the process of choosing/selection in the universe is a process of making life bearable.Iqbal also thinks that man's action helps in man's limitless freedom.Iqbal's such thoughts prove him an existentialist but we may call him a relegious existentialist who wishes to feel his existence under the umbrella of God.

اقبال کی فکری آبیاری میں ایک طرف نطشے برگساں کے اثرات ہیں تو دوسری طرف رومی، غزالی کے افکار کی بازگشت ہے۔ مشرق و مغرب کی اس فکری آمیزش نے اقبال کے مخصوص تصورات تشکیل دیئے ہیں۔ ان تصورات میں نئے آدم کی آمد اور اس کے نتیجے میں نئے سماج کی تشکیل و تعمیر کا حوالہ موجود ہے۔ مردِ کامل یا نیا آدم ایک سپرمین ہے جو دنیا کا نجات دہندہ ہے۔ اقبال کے ہاں نئے آدم کی آمد اور فطرت کی تسخیر اس کا وجودی رویہ ہے۔ نطشے کا سپرمین بھی معنی کائنات ہے جو سب پر غالب آنا چاہتا ہے لیکن اس سپرمین کا المیہ یہ ہے کہ اس کا خدا مر چکا ہے لیکن اقبال کا مردِ مومن خدا کی چھتری تلے اپنے وجود کا متمنی ہے جو معنیٔ کائنات بھی ہے۔

وجودیت کا پہلا مرحلہ خود شناسی ہے۔ اقبال کے ہاں بھی خود شناسی انسان کی تعمیر کا اہم مرحلہ ہے جو خدا شناسی تک پہنچ کر مکمل ہو جاتا ہے۔ لیکن ملحدانہ وجودی دانشوروں خاص کر ہائیڈیگر اور

سارتر کے ہاں خود شناسی ہی فرد کی آخری منزل ہے۔ انتشار، اضطراب اور تضادات سے بھرپور اس کائنات میں انسانی شعور ایک طرف زمان و مکان کی وسعت کا شاہد ہے تو دوسری طرف عدم تحفظ اور غیر یقینی کا شکار ہے۔ ڈاکٹر شاہین مفتی لکھتی ہیں:

''معنویت و محدودیت اور بے معنویت ولامحدودیت کی صلیب پر لٹکا ہوا انسان یہی سوچتا رہتا ہے کہ اس کائناتی دائرے کا مرکزی نقطہ کہاں ہے؟ اور اگر وہ خود یہ مرکزی نقطہ ہے تو اس کا یوں اسیر زمان ومکان ہو کر جبر کی زندگی بسر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔'' ۱ـــہ

اضطراب وجودی رویہ ہے جو اقبال کے ہاں مستقل طور پر موجود ہے۔ اقبال جہاں کائنات میں معنی بھرنے کا متمنی ہے وہیں اسے فنا ہو جانے کا خوف بھی لاحق ہے وہ بیقراری کی اس حالت کو یوں بیان کرتا ہے۔

مینے پوچھا اس کرن سے ''اے سراپا اضطراب
تیری جان ناشکیبا میں ہے کیسا اضطراب
یہ تڑپ ہے یا ازل سے تیری خو ہے کیا ہے یہ
رقص ہے آوارگی ہے جستجو ہے کیا ہے یہ؟ ۲ـہ

اقبال کے ہاں اضطراب کا عمل اپنے وجود کی تلاش کا سفر ہے۔ اقبال دنیا میں رہ کر غم و اندوہ کا شکار ہے، امید وبیم کے درمیانی ہے ۔ تنہائی اور بے بسی اس کا مقدر ہے۔ وہ اندیشوں اور وسوسوں کے درمیان ہے۔ اقبال اس دنیا میں رہ کر حقیقتِ کل میں واصل ہوجانے کا مشتاق ہے۔ وہ فنا کے گرداب میں مضطرب دکھائی دیتا ہے جو بقا کے لیے ہاتھ پائوں مار رہا ہے۔ طوفان کی دہشت اور موت کا خوف اسے پریشان رکھتا ہے وہ اپنے وجود کی پہچان کے بعد اسے وجود ازلی کے تابع کرکے امر ہوجانے کا متقاضی ہے لیکن اپنے سفر کے دوران میں موت کی دہشت سے لرزاں بھی دکھائی دیتا ہے :

زندگی وہ ہے کہ جو ہونہ شنا سائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل
نہ یہ خدمت نہ یہ عذت نہ یہ رفعت اچھی
اس گھڑی بھر کے چمکنے سے تو ظلمت اچھی ۳ـہ

سماجی سطح پر وجودیت نے مختلف مدارج طے کیے ہیں۔ ابتداء میں اس نے یونانی معروضیت کے خلاف آوازاٹھائی اور انسان کو بطور 'فرد' زندہ رہنے کا درس دیا۔ پھر فلسفے کی عقلیت پسندی کے خلاف احتجاج کیا اور فرد کے وجود کا احساس پیدا کیا۔ وجودیت کا تیسرا حوالہ عقلیت اور سائنس کے اس رجحان کے خلاف تھا جہاں پر انسان کو ایک ''شے'' کا درجہ دے دیا گیا تھا اور انسان کو حساب کتاب کے خانوں میں بانٹ دیا تھا،

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات ۴ـہ

اقبال کلاسیکی یونانی فلسفے کو تشکیک کی نظری سے دیکھتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں ''قرآن کی روح بنیادی طور پر رد کلاسکیت ہے'' ۵ـہ اقبال کے خیال میں اسلام آدمیت کی فکری سطح بلند کرنے کا

باعث ہوا ہے۔ اس ضمن میں اقبال ہیگل کے فلسفہ حرکیت سے متفق ہیں لیکن یہاں بھی اقبال روح اور مادے میں ایک مضبوط رشتہ استوار دیکھتے ہیں جو خودی سے مستحکم ہے۔

آدم کو ثبات کی طلب ہے
دستور حیات کی طلب ہے ۶؎

وجودیت پسند عقلی رویے کے مخالف ہیں اقبال بھی عقل کی بجائے عشق کی سچائی پر یقین رکھتے ہیں۔ عقل انسانی آبرو کو کم کرنے کا باعث ہے۔ وجودی دانشور ریاست، مذہب اور گروہ کو تشکیک سے دیکھتے ہیں۔ اقبال کے ہاں بھی تشکیک موجود ہے۔ لیکن وہ ہائیڈیگر کی طرح خدا کے دامن کو چھوڑ نہیں دیتے۔

یہ آفتاب کیا یہ سپہربریں ہے کیا
سمجھا نہیں تسلسل شام و سحر کو میں
اپنے وطن میں ہوں کہ غریب الدیار ہوں
ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت ودر کو میں
کھلتا نہیں مرے سفر زندگی کا راز
لائوں کہاں سے بندۂ صاحبِ نظر کو میں
حیران ہے بو علی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جائوں کدھر کو میں ۷؎

وجودیت بیگانگیٔ ذات کو انسانی زندگی کا لازمہ قرار دیتی ہے جس سے کسی طور پر چٹھکارہ ممکن نہیں۔ یہ مغائرت مختلف تہذیبوں کے تصادم، عقلِ خالص کی پابندیوں، مذہب کی اجارہ داریوں کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ اقبال اس رویے کی یوں مذمت کرتے ہیں۔

آزاد فکر سے ہوں عزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو ۸؎

اقبال اکبر آلہ آبادی کے نام اپنے ایک خط میں اپنی تنہائی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''لاہور ایک بڑا شہر ہے لیکن میں اس ہجوم میں تنہا ہوں۔،، ۹؎

وجودی خیال یہ ہے کہ بیگانگیٔ ذات کا رویہ انسان کو ناقدری اور بے توقیری کی طرف لے جاتا ہے۔ صنعتوں کا فروغ، مشینوں کی حکومت انسان کو اس کے اوصافِ حمیدہ سے محروم کر دیتی ہے۔ سرمایہ داری نظام انسان کو بے توقیر اور بے آبرو کرکے ایک جنس میں تبدیل کردیتا ہے جس کے باعث سماج میں وسیع تر بیگانگی کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور انسان نہ ختم ہونے والی بیگانگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے وجود کی پہچان کے سفر پر نکلتا ہے مگر روز و شب کے معمولات اسے شدید مایوسی کے سوا کچھ نہیں دیتے۔ اقبال معروضی طریقوں اور عقل کی حاکمیت کے مخالف ہیں وہ عقل کی مخالفت

اس لیے کرتے ہیں کہ عقل فکری نظام کو منتشر کرتی ہے اور داخلی صلاحیتوں کی نفی کی مرتکب ہوتی ہے۔ اقبال اپنے وجود تک رسائی کے طلبگار ہیں لیکن عقل اس کے راستے میں مزاحم ہے۔ عقلی نظام جمع و تفریق کی تاویلات کرتا ہے جو اقبال کے عشق کی آگ کو سرد کرنے کا باعث ہے۔ اقبال فرد کی حاکمیت کو یوں بیان کرتا ہے:

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحربے پایاں بھی ہے
کیونگرفتار طلسم ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفاں بھی ہے ۱۰ـہ

وجودیت میں انتخاب کرنے اور اپنے انتخاب پر عمل پیرا ہونے پر زور ملتا ہے۔ اقبال کے ہاں بھی حرکت و عمل پر زور ملتا ہے۔ اقبال کے نزدیک بے عملی انسان کو موت کے قریب لے جاتی ہے جبکہ عمل اس لایعنی کائنات میں رنگ بھرنے اور اسے گوارا بنانے کا عمل ہے۔ ایک فرد اپنے عمل کے ذریعے اس کائنات میں خوشیاں کشید کرتا رہتا ہے۔ وہ عمل سے ہی موت کو مسلسل ٹالتا رہتا ہے۔ انسان کا عمل ہی اسے بے پایاں آزادی سے ہمکنار کرتا ہے۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحربے کراں ہے۔ زندگی
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے ۱۱ـہ

جبرئیل مارسل کہتا ہے کہ میرا بدن اور میں ایک وحدت ہیں ان تمام اشیاء میں جو میرے ارد گرد ہیں۔ یہ جسم وہی ہے جو دیکھ کر میں ہوں میرا بدن کوئی اوزار یا ہتھیار نہیں میں اسے اپنی ذات ہی سمجھتا ہوں ''میرا بدن ایک شخص ہے اور یہ کوئی دوسرا شخص نہیں یہ میں خود ہوں۔''

اقبال بھی جسم و روح کی تفریق کے قائل نظر نہیں آتے:

اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجود حضرت انسان نہ روح ہے نہ بدن ۱۲ـہ

عقل مدت سے ہے اس پیچاک میں الجھی ہوئی
روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے ۱۳ـہ

اقبال کے نزدیک انسان آزاد ہے جو صاحب لولاک ہے۔ وہ خودی کا رازدان ہے اور اپنے فیصلے کی صلیب خود اٹھا سکتا ہے۔ اسے تنہا ساری ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے چنانچہ اس کے فیصلوں کے نتیجے میں اضطراب، دہشت، دکھ اور کرب اسے گھیر لیتے ہیں۔ وجود کا بھید اس کے لیے ایک معمہ بنا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اسے ایک ایسی ذمہ داری میں پھینک دیا گیا ہے جو اس کی موت

تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں اسے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ حزن اور گناہ آدم والی ندامت میں ڈوبا رہے یا آزادی کے انکشاف میں تحلیل ہوجائے جو اسے ابدیت سے ہمکنار کرتی ہے۔ اقبال انتخاب کو پسند کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ''انسان ایک آزادانہ شخصیت کا امانت دار ہے ایک ایسی شخصیت کا جسے اس نے خود سنوارا ہے'' ۱۴ـہ

وجودیت کہتی ہے کہ ذاتی احساس کے غیر حاصل شدہ علم بے سود ہے اقبال بھی اس کے ہم خیال ہیں۔ اقبال اپنے وجود کو شعوری سطح پر منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا تشخص ِ ذات اور تعین ذات کا رویہ اسے وجودی دانشور ثابت کرتا ہے۔

حوالہ جات:

)۱(شاہین مفتی،ڈاکٹر، جدید اردو نظم میں وجو دیت، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء ، ص ۵۶

)۲ (اقبال، ''شعاع آفتاب'' ، مشمولہ ؛ کلیات اقبال ، لاہور : اقبال اکادمی ، ۱۹۹۴، ص ۲۶۶-۲۶۷

)۳ (اقبال، صبح کا ستارہ ، ایضاً،ص۱۱۲

)۴ (اقبال، لینن خدا کے حضور ، ایضاً ، ص ۱۱۱

)۵ (اقبال، اسلامی فکر کی نئی تشکیل ، مترجم؛ شہزاد احمد ، لاہور : مکتبہ خلیل ، ۲۰۰۵، ص ۲۰

)۶ (اقبال ، ''ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام'' ، کلیات اقبال، ایضاً، ص ۵۳۰

)۷ (اقبال ، ''فلسفہ و مذہب'' ، ایضاً ، ص ۴۷۸

)۸ (اقبال ، ''ایک آرزو'' ، ایضاً، ص ۷۸،۷۹

)۹ (اقبال ، '' خط بنام اکبر الہ آبادی'' ، اقبال نامہ(حصہ دوم) ص ۱۱۹

)۱۰ (اقبال ، ''شمع اور شاعر ''، کلیات اقبال، ایضاً، ص ۲۲۰

)١١(اقبال ، ''خضرِ راہ'' ، ایضاً،ص ٨٨-٢٨٧

)١٢(اقبال ، '' آدم'' ،ایضاً،ص ٥٧٠

)١٣(اقبال ، '' جاں و تن'' ، ایضاً، ص ٥٦٨

(14) Iqbal, "Reconstruction of relegious thoughts" ,p 95.

/...../